امتحانی مشق نمبر 1

(یونٹ 1 تا 4)

سوال 1- ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے نظریہ زبان پر بحث کریں۔ (20)

سوال 2- ولی دکنی کی غزل کی نمایاں خصوصیات بیان کریں۔ (20)

سوال 3- شمالی ہند کے اہم ایہام گو شعرا کا تعارف لکھیں۔ (20)

سوال 4- آبرو کے ہاں ذو معنی الفاظ کا استعمال عام ہے۔ دلائل کے ساتھ بحث کریں۔ (20)

سوال 5- میر کی شاعری میں عشق کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ شعری حوالوں کے ساتھ بحث کریں۔ (20)

ANS 01

25 دسمبر 1905 (کہیں لکھا ھے زور صاحب کی تاریخ پیدائش 6، دسمبر 1904 کی ھے) ، ڈاکٹر زور ایک شاعر، افسانہ نگار، نقاد، محقق ہی نہیں بلکہ عالم ، لسانی تنقیدی نظریہ دان ادبی مورخ ، تاریخ دان اور معاشرتی اصلاح کار بھی تھے۔ بہ حیثیت ادبی مورخ ان کے کارنامے قابل قدر اور گراں بہا ہیں اور یہ کارنامے اردو کی ادبی تاریخ کا ایک بیش بہا سرمایہ ہے۔ ان کے ان کارناموں کو اردو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ (۱) تاریخ ادب اردو، (۲) دکنی ادب کی تاریخ، (۳) داستان ادب حیدرآباد اور (۴) اردو شہ پارے۔حیدر آباد، بھارت میں ان کی ولادت ہوئی۔ ابتدئی تعلیم مدرسہ دارلعلوم سٹی اسکول میں ہوئی۔ پھر1927 میں عثمانیہ کالج سے " لسانی سائنس" میں ایم -اے کی سند حاصل کی۔ ان کی ادبی اور علمی زہانت کو دیکھتے ہوئے حیدرآباد کے فرمانروا نے انھیں وظیفہ دے کر 1929 میں لندن یونیورسٹی پی ایچ ڈی کرنے کے لیے بھجوایا۔ جہاں انھوں نے " آریائی زبانوں" پر ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھا۔ یہاں انھیں بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ماہر لسانیات کی سرپرستی نصیب ہوئی۔ اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز لندن کے پروفیسر آر۔ایل۔ٹرنر اور ہندوستانی زبان کے ماہر گراہم بیلی نے زور صاحب کی علمی اور تحقیقی فطانت کو دیکھتے ہوئے۔ان کی تربیت کی اور مفید مشورے دئیے۔ جس کی سبب اردو کی ادبی اور لسانی تنقید اور تحقیق میں نئے اسلوب اور مناجیہات کے دروازے کھلے۔

1930 میں انھوں نے فرانس میں لسانی تحقیق پر خصوصی تعلیم حاصل کی۔ پھر وہ ہندوستان واپس آگئے۔ہندوستان واپس آکر زرو صاحب چندر گھاٹ کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ اس کے بعد جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو کے صدر نشین مقرر ہوئے۔ وہ اپنی موت تک کشمیر کی سری نگر یونیورسٹی میں اردو ، فارسی کے مطالعوں کے شعبے مین درس و تدویس کے

Downloaded From Tajassus.com

فرائض انجام دیتے رہے۔ انھوں نے اکسٹھ (61) کتابیں تصنیف کیں اور ہندوستان کے تعلیم اداروں میں اردو رائج کرنےمیں بڑی خدمات سر انجام دی۔ وہ اردو میں ماہر لسانیات کے طور پر معروف ہیں۔ انھوں نے لسانی تحقیق، معاشرتی روداد نگاری، عالمانہ تنقید کے علاوہ افسانے لکھے اور شاعری بھی کی۔ ان کی شاعری "حب ترنگ"۔ "گلزرا ابرہیم"۔ کے نام سے چھپ چکی ھے ۔ زور صاحب نے اردو کی ترویج کے لیے "ادبیات اردو " (المعرف ایوان اردو) کی بھی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد قدیم اردو کے اور علمی ورثے اور پرانے متنوں کو نیا افق فراھم کرنا تھا۔ انھوں نے ابوالکلام آزاد تحقیقی انسیٹوٹ بھی قائم کیا اور ادبی اور علمی جریدہ "سب رس" جاری کیا۔ یہ رسالہ اب بھی جاری ھوتا ھے۔ کراچی سے بھی شاہد حمید مرحوم بھی ایک عرصے تک شمالی ناظم آباد سے " سب رس" نکالتے رھے۔ محی الدین قادری زور کے علمی اور ادبی کارناموں پر خلیق انجم نے کتاب بھی لکھی ھے۔ ''دکن کو بجاطور پر فخر حاصل ہے کہ اردو نظم و نثر دونوں کی باقاعدہ ابتدا اس سرزمین سے ہوئی۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اردو کا سب سے پہلا ماہر لسانیات بھی خاک دکن سے اٹھا۔''

(ڈاکٹر خلیق انجم ''زور ایک ماہر لسانیات'' مشمولہ سب رس کراچی، زور نمبر جنوری ۱۹۷۹ء، ص: ۸۹) ۔

ان کی سب سے معروف کتاب "ہندوستانی لسانیات" ھے۔ اس کے علاہ انھوں نے " ہندوستانی لسانیات" کے نام سے انگریزی میں بھی ایک کتاب لکھی تھی۔ہندوستانی فونیٹکس : یہ کتاب عملی لسانیات میں اہم مقام رکھتی ہے۔ ہندوستانی لسانیات سے متعلق انگریزی میں اپنی نوعیت کی یہ اولین کتاب ہے اس میں زبان کا صوتیاتی تجزیہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے اسی بنا پر

''زور صاحب کو صرف اردو ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی جملہ زبانوں میں علم زبان کے قافلے کے سالاروں میں شمار کیا۔''

(ڈاکٹر ضیا الدین انصاری، ''زور صاحب کی تصانیف کا تعارف'' مشمولہ محی الدین قادری زورؒ مرتب خلیق انجم، ص: ۱۷۴، سنہ اشاعت ۱۹۸۹ء)

اس سے یہ حیثیت ماہر لسانیات ڈاکٹر زور کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔اردو تنقید کے ابتدائی دور میں ایک معتبر نام ہمیں ڈاکٹر زور کا ملتا ہے۔ جن کی تنقید نگاری پر اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر زور بنیادی طور پر سائنٹفک دبستان تنقید سے وابستہ تھے۔ڈاکٹر زورؒ ایک مایہ ناز محقق، تجربہ کار مدون تھے۔ ان کی تحقیقی اور تدوینی کام کی وجہ سے کئی شاعر گوشۂ گم نامی سے نکل کر شہرت کے بام عروج پر پہنچے۔ تحقیق ایک صبرآزما اور مشکل کام ہے اس میں جذبے کی لطافت، ذہنی یکسوئی خیال کی ہم آہنگی کا ہونا نہایت لازمی ہے، تحقیق اپنے

Downloaded From Tajassus.com

موضوع کے ساتھ انصاف چاہتی ہے۔ وہ مواد کو سلیقے سے اکٹھا کرنا، اس کی صحیح جانچ پڑتال، چھان بین، تقابل، رد و قدح جیسے مراحل میں باریک بینی و حساسیت چاہتی ہے۔ یہ تمام اوصاف ڈاکٹر زور میں بہ درجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ اسی لیے ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ اپنے مضمون ''محقق اعظم'' میں رقم طراز ہیں:

''اگر میں کسی ادبی ادارے سے منسلک ہوتا تو ڈاکٹر موصوف کو محقق اعظم کا خطاب پیش کرتا اس لیے کہ ان میں وہ تمام خوبیاں جمع ہیں جو تحقیق، تدلیل، تنقید کے کار اہم کے لیے ناگزیر ہیں۔ جیسے (۱) کھوج پڑتال (۲) مواد کی ڈھونڈ بھال کی فطرتِ اہلیت (۳) وسیع و عمیق مطالعہ اور اساتذہ کی صحبت (۴) موضوع سے ہمدردی اور موافقت (۵) فکر غائر کی عادت (۶) شک اور ایمان سے سمجھوتا (۷) تنوع ا ور تعمق کی لگن (۸)تحلیل و تسنیق کا گر (۹) بے تعصبی و بے غلوی (۱۰) حوصلہ، صبر، خوداعتمادی، انکساری (۱۱) ٹھیک جچی تلی مختصر بات کہنے کی کاوش اور تاکید و تکرار سے حذر (۱۲)حقیقت عشق اور دارگیری کا جنوں۔''

(ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ ''محقق اعظم'' مشمولہ سب رس کراچی زور نمبر، ص: ۹۲،۹۳، جلد ۲ دسمبر جنوری ۷۹-۱۹۷۸ء، مدیر خواجہ حمید الدین شاہد)

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ نے اپنے مضمون میں ڈاکٹر زورؔ کی ان تمام خوبیوں کا ذکر کیا ہے جو ایک اچھے محقق کے لیے ضروری ہیں۔ ان اوصاف کو دیکھ کر موہن سنگھ دیوانہ انھیں ''محقق اعظم'' قرار دینے پر مجبور ہیں۔ ان کا ''محقق اعظم'' کے عنوان سے مضمون کا لکھنا ہی ڈاکٹر زورؔ کے تحقیقی کارناموں اور اس کی قدر و منزلت کا ثبوت دینا ہے۔ محمد ابرار الباقی اپنے مضمون میں ان کی کتاب ' روح تنقید کے متعلق لکھتے ہیں" ''روح تنقید'' کو بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ میں فن تنقید کے ارتقا، ادب اور تنقید کے باہمی تعلق اور فن تنقید کے اصول و مبادیات سے بحث کی گئی ہے اور دوسرے حصہ میں دنیا کے مختلف ممالک مثلاً یونان، روما، فرانس اور انگلستان میں تنقید کے ارتقا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔"

ڈاکٹر زورؔ نے تنقید کی تعریف، ادب میں اس کی اہمیت و ضرورت اور دوسرے اہم مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کے تنقیدی خیالات کا اندازہ ذیلی اقتباس سے کیا جاسکتا ہے:

''تنقید میں نہ صرف تقریظی پہلو ہوتا ہے بلکہ تخلیقی بھی اس کا کام نہ صرف برائی کی خدمت کرنا ہے بلکہ اچھائیوں کی بھی صحیح طور پر ترجمانی کر کے ان میں ترقی دینا۔''

(ڈاکٹر زورؔ ''روح تنقید''، ص: ۷ سنہ اشاعت ۱۹۲۵ء، طبع اول)

ڈاکٹر عبادت بریلوی ان کے تنقیدی دبستان کے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ڈاکٹر زور نے تنقید کے لیے جن اصولوں کو ضروری قرار دیا ہے وہ بڑی حد تک سائنٹفک ہیں۔

Downloaded From Tajassus.com

اگر ان کو سامنے رکھ کر تنقید کی جائے تو زیر نظر تصنیف کے تمام پہلو پڑھنے والے کے سامنے آسکتے ہیں۔ ان کی عملی تنقید میں یہ خصوصیت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔''

(ڈاکٹر عبادت بریلوی ''اردو تنقید کا ارتقا''، ص: ۳۲۰، سنہ اشاعت ۱۹۹۵ء

تین شاعر : اس کتاب میں ڈاکٹر زور نے میر تقی میر، میر انیس اور ہوریس اسمتھ کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔

جواہر سخن : مولوی مبین عباسی چریاکوٹی نے اردو شاعری کا انتخاب ''جواہر سخن'' کے عنوان سے چار جلدوں میں مرتب کیا تھا۔ ڈاکٹر زورؔ نے اس پر ایک طویل تبصرہ لکھا اور اسے ''جواہر سخن'' کے نام سے ہی کتابی شکل دے دی گئی۔ زور صاحب نے ''جواہر سخن'' پر تنقیدی نظر ڈالی ہے اور اس کے فروگزاشتوں کی نشان دہی کی ہے۔ دیا۔سید حرمت الاکرام لکھتے ہیں:

''یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ ان کی دوسری تصنیفات و تالیفات سے قطع نظر اگر حیدرآباد اور باقی ماندہ پورے ہندوستان کے مخطوطات ایک دوسرے کے مقابلے میں رکھ دیے جائیں تو اس میں حیدرآباد سبقت لے جائے گا۔ جس کا سہرا ڈاکٹر زورؔ کی ذات واحد کے سر ہے۔''

(سید حرمت الاکرام ''ڈاکٹر زورؔ زورؔ شخصی اور ادبی زندگی'' مشمولہ سب رس کراچی، زورؔ نمبر، ص: ۱۰۴، جلد ۲، دسمبر جنوری ۷۹-۱۹۷۸ء، مدیر خواجہ حمید الدین شاہد

اس کے علاوہ ان کے دو مضامین ''اردو اور پنجابی'' (مطبوعہ نقوش لاہور ۱۹۵۳ء) اور اردو کی ابتدا (مطبوعہ اردوئے معلی لسانیات نمبر جلد سوم ۱۹۶۴ء) ان کا ایک پر مغز مقالہ ''ہندوستان کی گجراتی شاخ'' پر ہے جس کو انھوں نے ڈاکٹر جے۔پلوک کی نگرانی میں قلم بند کیا تھا۔ لسانیات میں اپنی خدمات کی بنا پر ڈاکٹر زور کو اردو کا سب سے پہلا باقاعدہ ماہر لسانیات تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کی مشہور تصانیف میں، " طلسمات خیال"، شاعر گولکنڈہ" " گولکنڈہ، کے ہیرے"، دکنی ادب کی تحریک"، "کلیات قطب شاہ"، " حیات میر محمدمومن" ، داستان ادب حیدر آبا د"، " تذکرہ مخطوطات اردو" (دو جلدیں)، " طالب موہنی"، معنی شکن" (اس کتاب میں مغرب میں 1970 اٹھنے والی فکری نظریہ "ردتشکیل" کو زور صاحب نے ساٹھ (60) سال پہلے پیش کردیاتھا) انھوں نے کلیات محمد قلی قطب شاہ کے تدوین بھی کی۔ان کے مختصر افسانوں کے مجموعے ''سیر گولکنڈہ ۱۹۳۶ء'' اور ''گولکنڈہ کے ہیرے ۱۹۳۷ء'' کے نام سے شائع ہوئے۔ ''سیر گولکنڈہ'' میں سولہ افسانے اور گولکنڈہ کے ہیرے میں چھ افسانے ہیں جن میں طلسم تقدیر بھی شامل ہے۔ ان افسانوں کے مجموعوں کے علاوہ ۱۹۵۲ء میں شہر حیدرآباد پر ایک اور کتاب ''حیدرآباد فرخندہ بنیاد'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے دوسرے حصے ''روایات'' میں انھوں نے اپنے انیس (۱۹) افسانوں کو شامل کیا جو ''سیر

Downloaded From Tajassus.com

گولکنڈہ'' اور ''گولکنڈہ کے ہیرے'' سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر زورؔ کے جملہ تئیس (۲۳) افسانے ہمارے سامنے موجود ہیں۔ڈاکٹر زور کی ابتدائی شاعری کے بارے میں پروفیسر سیدہ جعفر لکھتی ہیں:

''ان کے اشعار میں نوجوانی کی امنگ بھی ہے اور محبت کرنے کا حوصلہ بھی۔ ان میں انفرادی اور داخلی جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ زبان میں روانی اور سلاست ہے لیکن گہرائی رفعت تخیل اور ندرت فکر کے عناصر نظر نہیں آتے۔ ڈاکٹر زورؔ کی ابتدائی نظمیں ہلکی پھلکی اور عشقیہ ہیں یہ نظمیں عنفوان شباب کے لطیف اور معصوم جذبات کی آئینہ دار ہیں۔''

(پروفیسر سیدہ جعفر ''ڈاکٹر زور '' نئی دہلی، ساہتیہ اکادمی سنہ اشاعت ۱۹۹۰ء، ص: ۱۵۶

زورصاحب نے نواب رفعت یار جنگ کی صاحب زادی تحینت النساء سے شادی کی۔ جو اردو کی باقاعدہ پہلی صاحب دیوان شاعرہ تھیں۔ ان کے تین دیوانوں میں --"صبر شکر"، -- سب سے زیادہ مشہور ہوا۔ ان کی چار (4) صاحب زادیاں اور پانچ (5) صاحب زادگان تھے۔ زور صاحب کی ایک بیٹی زہرہ کا انتقال ستمبر 1962 میں ہوا اور وہ خاینار شریف میں رزق خاک ہوئی۔ محی الدین زرو صاحب 1931 تک ادارہ ادبیات اردو میں اپنے آبائی مکان "تھنات منزل"، حیدرآباد مین مقیم رھے۔ ان کی ایک بیٹی تہذیب زہرہ عربی کی عالمہ ہیں۔ l960 میں وہ عثمانیہ یونیورسٹی میں پڑھاتی رھی۔ ان کی شادی 7مئی 1961 کو ڈاکٹر یحیی علی احمد فاروقی سے ہوئی جو زرو صاحب کے دوست پروفیسر لطیف احمد فاروقی کے صاحبزادے تھے۔ پھر وہ 1964 میں پاکستان چلے گئے تھے۔ ان کی دوسری بیٹی توقیر زہرہ نے پاکستان میں ایک فوجی میجر عبد القیوم سے شادی کی۔ ان کی تیسری بیٹی آرکیٹیکچر ہیں وہ اب برطانوی شہری ہیں۔ زرو صاحب کے تمام صاحبزداگان حیدراباد، ہندوستان میں مقیم رھے۔ سید محی الدین قادری زور صاحب کا انتقال سری نگر، کشمیر میں 25 ستمبر 1962 کو ھوا۔

ANS 02

کلیات ولی میں تقریبا تمام اصناف سخن پر مشتمل کلام ملتا ہے لیکن جس صنف نے انھیں شہرت عام و بقائے دوام بخشی وہ غزل ہے۔ کلیات میں غزل ہی کا حصہ زیادہ بھی ہے اور وقیع بھی۔ ادب میں مختلف اصناف، مخصوص تہذیبی، سماجی اور ذہنی اثرات کے تحت قبولیت اور شہرت حاصل کرتی ہیں۔ غزل بھی خاص تہذیبی حالات میں پیدا ہوئی لیکن اس صنف نے وقت کی تبدیلی کے ساتھ خود کو بھی بدل لیا شاید اس نے سب سے زیادہ سیاسی، سماجی، تہذیبی اور انقلابات دیکھے۔ جہاں جیسی ضرورت ہوئی ویسی شکل اس نے اپنائی۔ داخلیت کا اظہار ہوا تو دل سے نکلی اور دل میں اتر گئی، خارجیت کا چلن ہوا تو سارے بندھن توڑ ڈالے۔ سماجی اور تہذیبی تبدیلی کے ساتھ وقت کے تقاضوں کو پورا کر نے کے لیے غزل اپنے دامن کو وسیع

Downloaded From Tajassus.com

کرتی گئی مختلف مضامین اس میں جگہ پاتے گئے، فلسفیانہ مضامین کو بھی جگہ ملی، صوفیانہ خیالات بھی آئے، آلام روزگار اور فکر معاش بھی، زندگی کا شکوہ بھی اور شادمانی کا ذکر بھی ۔موضوعات کی اس رنگا رنگی اور طرز ادا کے اس نشیب و فراز کے باوجود غزل کا موضوع بنیادی طور پر عشق و محبت ہی رہا۔ ولی کی غزلوں میں ہمیں مندرجہ بالا تمام رنگ کہیں گہرے اور کہیں مدھم نظر آتے ہیں۔ ولی ایک بلند پایہ غزل گو شاعر تھے۔ ان کی عظمت کا اعتراف شمالی ہند کے کئی بڑے شاعروں نے کیا ہے۔

- ولی دکنی کی غزلوں میں عشق مجازی
- ولی دکنی کے کلام میں تشبیہات و استعارات
- ولی دکنی کے کلام میں تصور عشق

آبرو نے کہا:

آبرو شعر ہے ترا اعجاز ہے
پر ولی کا سخن قیامت ہے

- ولی اردو کا پہلا غزل گو شاعر

ولی کے کلام میں بلا کی رنگینی اور دل کشی پائی جاتی ہے اس کی وجہ غالب یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی بیان کر تے ہیں اس کا سیدھا تعلق ان کےاحساس و تجربات سے ہوتا ہے۔ ان کے زیادہ تر اشعار ان کے دل پر بیتے ہوئے واقعات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں عشق اورحسن کی بڑی اہمیت ہے۔ ان کی شاعری کا محورحسن و عشق ہی ہیں انھوں نے اپنی شاعری میں یہ ذکر بھی کیا ہے کہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے مجاز کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں:

- میر تقی میر کی غزل گوئی
- مرزا غالب کی غزل گوئی

تواضع، خاکساری ہے ہماری سرفرازی ہے
حقیقی لغت کا ترجمہ عشق مجازی ہے

یا پھران کا کہنا ہے:

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی ہے

ولی کی شاعری میں حسن و جمال کا موضوع بڑا اہم ہے۔ شاعر ولی سے پہلے کسی شاعر نے حسن و جمال کا بھرپور اور کامیاب تصور نہیں دیا۔ اسی لیے ڈاکٹر سید عبداللہ نے ولی کو

Downloaded From Tajassus.com

جمال دوست شاعر کا لقب دیا ہ۔ ان کی حسن پرستی میں سرمستی وارفتگی کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی حسن پرستی میں سرمستی اور سرخوشی کار نگ نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ وہ حسن کے ایک تجربے کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ جس سے ان کی روح اور جسم میں سرمستی کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ خود کو اس تجربے کے محسوسات میں گم کردینا چاہتے ہیں۔ ان کی حسن پرستی صحت مندانہ انداز کی ہے۔ وہ حسن کو کسی ایسے تجربے کی بنیاد نہیں بناتے جو جنسی ہو اور جس سے صرف نفسانی خواہشات کا تعلق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ولی کے ہاں جنسیت و احساساتِ حسن آفاقی تصورات کا حامل محسوس ہوتے ہیں۔ وہ حسن کے احساس سے روح کی بالیدگی اور من کا سرور حاصل کرتے ہیں۔

نکل اے دلربا گھر سوں کہ وقتِ بے حجابی ہے
چمن میں چل بہارِ نسترن ہے ماہتابی کا
آج گل گشتِ چمن کا وقت ہے اے نوبہار
بادہ گل رنگ سوں ہر بام گل لبریز ہے

زندگی اور کائنات کا حسن

ولی حسن و جمال کے شعری تجربات بیان کرتے ہوئے کسی غم یا دکھ کا اظہار نہیں کرتے کیونکہ وہ جمال دوست ہیں۔ اس لیے کائنات کی ہر شے میں جمال دیکھتے ہیں۔ ان کی نظر زندگی اور کائنات کے تاریک پہلوئوں کو نہیں دیکھتی۔ وہ صرف روشن پہلوئوں کا نظارہ کرتی ہے۔ جہاں خوشی، امید اور مسرت کی سدا بہار چھائوں ہے۔ وہ حسن سے مایوس ہو کر آہیں بھی نہیں بھرتے۔ اس لیے کہ وہ بامراد عاشق ہیں اور محبوب کے حسن کا دیدار انہیں حاصل ہے۔ ان کی شاعری میں زندگی اور کائنات کا حسن بھی نظر آتا ہے۔ ولی حسن کے حوالے سے ایسی فضاء قائم کرتے ہیں جہاں ہر طرف پھول ہی پھول اور وسیع سبزہ زار ہیں۔ شفاف اور ٹھنڈا پانی ہے۔ پرندے چہچہا رہے ہیں، چاندنی کھلی ہوئی ہے، دور تک میدان اور راہ چاندنی میں نہائی ہوئی ہیں۔ پوری کائنات مسکراتی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے فطرت کا تمام تر حسن ولی کے بیان میں سمٹ آیا ہے۔ ان اشعار کو دیکھئے جن میں ولی زندگی کے خوبصورت مظاہر کا ذکر کرتے ہیں:

صنم تجھ دیدہ و دل میں گزر کر
ہوا ہے باغ ہے آبِ رواں ہے
نہ جائوں صحنِ گلشن میں کہ خوش آتا نہیں مجھ کو
بغیر از ماہ رو ہر گز تماشا ماہتابی کا

Downloaded From Tajassus.com

عارف ظہیر صدیقی یوسفی: میں اس سلسلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ امیر خسرو غزل میں تو اولیت رکھتے ہیں لیکن ہمیں سب سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا کہ اردو زبان کا آغاز کب ہوا۔ جہاں تک میری ناقص معلومات ہیں اس کی رو سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ چونکہ اردو کا باضابطہ آغاز امیر خسرو کے زمانے میں نہیں ہوا لہذا ہم جناب محترم امیر خسرو کو اردو کا پہلا شاعر نہیں کہہ سکتے۔

احساساتِ حسن کی شاعری

ڈاکٹر سید عبداللہ کے خیال میں ولی کی شاعری عراقی طرز کے زیادہ قریب ہے۔ اس "عراقی" طرز سے ان کی مراد یہ ہے کہ ولی کے ہاں معاملاتِ عشق کے بیان کی بجائے احساساتِ حسن کا بیان زیادہ ہے۔ وہ معاملاتِ عشق جن سے گفتگو محبوب سے ملاقات اور مکالمے کا پہلو نکلتا ہے وہ سب ولی کی شاعری کا حصہ ہیں۔

مسندِ گل منزلِ شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدۂ بیدار کا

ڈاکٹر سید عبداللہ ولی کے اس رجحان پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولی نے فکر کی گتھیاں نہیں سلجھائیں۔ انہوں نے چاند کی چاندنی اور آفتاب کی حسرت انگیز دھوپ، سپرنیلگوں کی دلکش و وسعت اور صبح و شام کے دلاویز حسن کا تماشائی بننا اور ان سے حواس ظاہر و باطن کو مسرور بنانا سیکھا اور سکھایا ہے۔ ولی فلسفہ زندگی کے ترجمان شارح نہ تھے۔ جمال زندگی کے وصاف اور قصیدہ خواں تھے۔

تیرا لب دیکھ حیواں یاد آوے
ترا مکھ دیکھ کنعاں یاد آوے
ترے دو نین دیکھوں جب نظر بھر
مجھے تب نرگستاں یاد آوے
ترے مکھ کی چمن کو دیکھنے سوں
مجھے فردوسِ رضواں یاد آوے

سراپا نگاری

ولی کی شاعری میں سراپا نگاری بدرجہ اتم موجود ہے۔ ولی نے اپنی شاعری میں جس محبوب کی خلیق کی ہے۔ وہ ان سے پہلے اور شائد بعد میں بھی اردو شاعری میں نہیں ملتا۔ انہوں نے واقعیت اور تخیل کی مدد سے اپنے محبوب کے حسن کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کی ہے۔ ان کے اشعار سے محبوب کی خوبصورت تصویریں بنتی ہیں۔ اسی لیے ولی کو اردو ادب کا سب سے بڑا سراپا نگار شاعر مانا جاتا ہے۔ ان کے لئے محبوب کے مکھ میں سب

Downloaded From Tajassus.com

سے زیادہ دلکشی ہے۔ یہ مکھ حسن کا دریا ہے۔ اس کی جھلک سے آفتاب شرمندہ و بے تاب ہے۔ اور اس کا مکھ صفحہ رخسار، صفحہ ء قرآں ہے۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ آنکھ اور لب، خال اور خد غرض سراپائے جسم کی تعریف و توصیف بہت عمدہ پیرائے میں بیان کی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں کہ محبوب کے مختلف اعضائے جسمانی کا کتنی خوبصورتی سے بیان کیا ہے:

وہ نازنیں ادا میں اعجاز ہے سراپا
خوبی میں گل رخاں سوں ممتاز ہے سراپا
اے ولی دل کو آب کرتی ہے
نگہ چشمِ سرمگیں کی ادا
موجِ دریا کوں دیکھنے مت جا
دیکھ تو زلفِ عنبریں کی ادا

ولی کا تصورِ محبوب

ولی کی شاعری پڑھتے ہوئے اس کے ایک محبوب کا تصور بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس کا کوئی نام بھی نہیں۔ ولی اسے مختلف ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ کبھی "ساجن" کہتا ہے اور کبھی "پیتم" تو کبھی "لالن" کہا ہے۔ جبکہ کبھی "من موہن" کبھی محشرِ ناز و ادا کا خطاب دیتا ہے۔ کبھی "فتنہ رنگیں ادا" کا نام۔ ان تمام نانوں سے اس کی والہانہ محبت اور وارفتگیِ عشق کا پتہ ملتا ہے۔ اس کی صداقت محبت میں تو کچھ کچھ کلام ہی نہیں، بلکہ عقل کہتی ہے کہ اس مبالغہ حسن میں بھی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے۔ ولی کا ساجن اردو شاعری کا روایتی محبوب نہیں ہے۔ والی کا محبوب، من موہن، شریف، خوددار، پاک نفس اور باحیا ہے۔

گر نہ نکلے سیر کو وہ نو بہار
ظلم ہے فریاد ہے افسوس ہے
عجب کچھ طرف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رخ سوں
خطب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

خوبصورت تشبیہات و استعارات

تشبیہ حسنِ کلام کا زیور اور شاسعری کی جان خیال کی جاتی ہے۔ ولی کو تشبیہات کے استعمال کے معاملے میں اجتہاد کا درجہ حاصل ہے۔ ان کی شاعری کا نمایاں وصف ان کی خوبصورت تشبیہات ہیں جو اپنے صحیح مواد پر انگوٹھی میں نگینے کی مانند خوبصورتی ک ساتھ جڑی ہوئی محسوس ہوتی ہیں:

Downloaded From Tajassus.com

مسندِ گل منزل شبنم ہوئی
دیکھ رتبہ دیدہ بیدار کا
تیری یہ زلف ہے شامِ غریباں
جبیں تری مجھے صبح وطن ہے
دو آتش کیا ہے سرمہ چشم
داغِ دل دیدہ ء سمندر ہے

ان تشبیہات میں جو کیف، حسنِ ندرت، جدت، دل کشی اور دل آویزی ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ پھول کی کھلی ہوئی پنکھڑی کو دیدہ ء بیدار کہا۔ باحیا محبوب کے سینے میں راز کی مانند ولی کے گھر آنا، زلف کا شامِ غریباں اور جبین کا صبح وطن ہونا اور دل کے دراغ کا دیدہ ء سمندر ہونا، ولی کی بے مثال فن کاری اور چابک دستی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں جبکہ ولی کا پورے کا پورا دیوان کسی نوعیت کی نادر تشبیہات سے سجا ہوا ہے۔

سوز و گداز

غزل چونکہ معاملاتِ مہر و محبت اور وارداتِ عشق و عاشقی کی داستان ہے۔ اس راہ کے مسافر کو قدم قدم پر ہجر و فراق کی تلخیاں سہنا پڑتی ہیں۔ کتنی رکاوٹیں عبور کرنا پڑتی ہیں۔ جی جی کر مرنا اور مر مر کر جینا پڑتا ہے۔ اس لیے ان واردات و تجربات کے بیان میں سوز و گداز کا عنصر لازمی طور پر شامل ہوتا ہے۔ ولی کی غزلوں میں سوز و گداز یقینا موجود ہے مگر اس کی کیفیات میر کے سوز و گداز سے مختلف ہیں۔ اسی لیے میر کے ہاں سوز و گداز کی شدت ہے جبکہ ولی کے ہاں اس کے برعکس سوز و گداز میں بھی ان کا احساس جمال کارفرما محسوس ہوتا ہے۔

اک گھڑی تجھ ہجر میں اے دلربا تنہا نہیں
مونس و دمساز میری آہ ہے فریاد ہے
نہ ہوئے اسے جگ میں ہرگز قرار
جسے عشق کی بے قراری لگے

زبانِ شگفتگی اور آہنگ

ولی ایک ذہین شاعر تھے۔ جنہوں نے مروجہ اظہار کے سانچوں کے جائزے کے بعد اپنی شعری بصیرت کی مدد سے اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ اسی وقت مروجہ زبان، اعلی شاعرانہ خیالات کے اظہار کے قابل نہیں چنانچہ انہوں نے خود زبان کے سانچوں کو مرتب کیا۔ ولی کی زبان ان سے پہلے غزل گو شاعروں سے قطعی طور پر مختلف محسوس ہوتی ہے۔ ان کی شاعری پڑھتے ہوئے اس تبدیلی کا نمایاں احساس ہوتا ہے۔ یہ زبان مقامی ہندی اور فارسی

Downloaded From Tajassus.com

الفاظ کا ایک خوبصورت آمیزہ ہے۔ اس طرح ان کی زبان میں سلاست و شگفتگی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔

مت غسے کے شعلے سوں جلتے کو جلاتی جا
ٹک مہر کے پانی سوں یہ آگ بجھاتی جا
تجھ گھر کی طرف سندر آتا ہے ولی دائم
مشتاق درس کا ہے ٹک درس دکھاتی جا

چھوٹی اور لمبی بحروں کا استعمال

شاعری کے بہائو کو تیز کرنے اور ترنم کی لہروں کو بلند کرنے کے لئے ولی چھوٹی اور لمبی بحروں کو استعمال کرتے۔ اور غنائیت و موسیقی کا وہ جادو جگاتے ہیں کہ ان کی فن کاری پر ایمان لانا پڑتا ہے۔

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالعہ مطلع انوار کا
یاد کرنا ہر گھڑی اس یار کا
ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا
شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا
عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں گل رخ سوں
خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

خارجیت کا تصور

چونکہ ولی جامل دوست شاعر ہیں۔ اسل یے وہ داخلیت کے اندھیرے کنویں میں بند نہیں رہ سکتے بلکہ ان کے ہاں خارجیت کا بھی بھرپور نظارہ ہے۔ وہ باہر کی دنیا کی رنگینیوں سے لطف اندوز اور محظوظ ہوتے تھے۔ وہ صرف اپنی ذات کےا ندر آنکھیں بند کر کے گم نہں ہوگئے تھے۔ ان کی آنکھیں زندگی اور کائنات کے حسن و جمال کا مسلسل مشاہدہ کرتی رہتی ہیں اور جہاں جہاں ان کے دیدہ بینا کے لئے سامانِ نظارہ ملتا ہے وہ لطف و سرور حاصل کرتے ہیں۔ ان کی خارجیت بڑی نکھری ہوئی اور جاندار ہے۔ اس میں صرف خارج کے کوائف کا احوال ہی قلمبند نہیں کیا گیا۔ ولی کا ذاتی نقطہ نظر ہر موقع پر موجود رہتا ہے۔ وہ کائنات کا مطالعہ اس کے تحت کرتے ہیں۔ خارجیت کا بیان کرتے ہوئے حسن و جمال کے تصورات کو پیش پیش رکھتے ہیں۔ میر تقی میر نے ولی کی عظمت کا اعتراف اس شعر میں کیا ہے:

Downloaded From Tajassus.com

خـــــــــــــــوگر نہیں کچھ یـــــــــــــــونہی ہم ریختہ گـــــــــــــــوئی کے
معشوق جو تھا اپنا باشندہ دکن کا تھا

ANS 03

اٹھارہویں صدی اردوشاعری کاانتہائی زرخیز دور رہاہے۔ اس دورمیں مختلف لسانی اورتہذیبی عوامل کے تحت شمالی ہندمیں اردوشاعری کارواج عام ہوا۔ ریختہ گوئی کی شروعات ہوئی اور اردوشاعری کی ایک بڑی اہم تحریک ایہام گوئی کاجنم اسی عہدمیں ہوا جس نے اردوشاعری کوبے حدمتاثرکیا۔ اور اردوزبان نے شاعری کی حدتک فارسی زبان کی جگہ لے لی اورایک توانازبان کی حیثیت سے معروف ومقبول ہوئی۔

صدیوں سے ہندوستان کی علمی اورادبی زبان فارسی تھی اورہندوستان کے شعرا اوراُدبانے فارسی زبان میں بے پناہ قدرت حاصل کرلی تھی لیکن اہل زبان ایران یہاں کے شعراکو قابل اعتنا نہیں سمجھتے تھے جس کی وجہ سے کئی تنازعات بھی سامنے آئے، عرفی اور فیضی کاتنازعہ اسی دورکی پیداوارہے۔ ایرانی اورہندوستانی فارسی دانوں کی اس محاذ آرائی نے اس احساس کواور بھی ہوادی کہ ہندوستانی فارسی زبان میں کتنی ہی مہارت حاصل کرلیں انھیں وہ پذیرائی اوراہمیت حاصل نہیں ہوسکتی جواہل ایران کوحاصل ہے۔ اس رویے نے ہندوستان کے فارسی گوشعراکو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے استعمال اورفکروخیال کے جوہردکھانے کے لیے ایک نئے میدان کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ سراج الدین علی خاں آرزونے یہاں کے شعرا کو ریختہ میں شعرگوئی کی ترغیب دی اورہرماہ کی پندرہویں تاریخ کوان کے گھرپر ’’مراختے‘‘ کی مجلسیں آراستہ ہونے لگیں۔ مشاعرہ کے انداز پر’’مراختہ‘‘ کی اصطلاح وضع کی گئی۔ اب نئی نسل کے بیشتر شعرانے فارسی میں شعرگوئی ترک کردی اوران کی پوری توجہ ریختہ گوئی میں صرف ہونے لگی یہ چیزیں اتنی عام ہوئیں کہ فارسی گوشعرابھی رواج زمانہ کے مطابق منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے ریختہ میں شاعری کرنے لگے۔

اٹھارویں صدی کے دوسرے دہے میں جب ولی کادیوان دہلی پہنچا تو اس نے شمالی ہند کے ریختہ گو شعرا میں ایک نئی روح پھونک دی۔ ولی کایہ دیوان ریختہ میں تھااورفارسی روایت کے عین مطابق حروف تہجی کے اعتبارسے ترتیب دیاگیاتھا جس کااثریہ ہوا کہ شعرائے دہلی میں بھی دیوان سازی کاعمل زور پکڑنے لگا۔ اس طرح اردوشاعری ایک نئے دورمیں داخل ہوگئی۔ شمالی ہندمیں جب اردوشاعری کاپہلادورشروع ہواتو اس دور کے اردوشاعر فارسی کی تہذیبی اورشعری روایت کے زیرسایہ پرورش پارہے تھے لہٰذا اردوشعرانے فارسی شعراکے مقبول رجحانات کوہی اپنامشعل راہ بنایا اورفارسی شاعری کی جس روایت کوپہلی باراختیارکیاگیاوہ ’’ایہام گوئی‘‘ کی روایت تھی۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

Downloaded From Tajassus.com

''دیوان ولی نے شمالی ہندکی شاعری پر گہرااثرڈالا اوردکن کی طویل ادبی روایت شمال کی ادبی روایت کاحصہ بن گئی۔ اٹھارہویں صدی شمال وجنوب کے ادبی وتہذیبی اثرات کے ساتھ جذب ہوکر ایک نئی عالم گیر روایت کی تشکیل وتدوین کی صدی ہے۔ اردوشاعری کی پہلی ادبی تحریک یعنی ایہام گوئی بھی دیوان ولی کے زیر اثر پروان چڑھی''۔۱

ایہام گوئی شمالی ہندمیں اردوشاعری کی ایک بڑی تحریک تھی۔ یہ تحریک محمدشاہی عہدمیں شروع ہوئی اور ولی کے دیوان کی دلی آمد کے بعداس صنعت کو عوامی مقبولیت ملی۔ شمالی ہندمیں اردوشاعری کی ترقی کاآغاز اسی تحریک سے ہوتاہے۔

ایہام عربی زبان کالفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں 'وہم میں ڈالنا'اور 'وہم میں پڑنا یاوہم میں ڈالنا۔ 'چونکہ اس صنعت کے استعمال سے پڑھنے والاوہم میں پڑجاتاہے، اس لیے اس کانام ایہام رکھاگیا۔

ایہام کااصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ یہ وہ صنعت ہے جس سے شعرکے بنیادی لفظ یالفظوں سے قریب اوربعید دونوں معنی نکلتے ہوں اور شاعرکی مراد معنی بعیدسے ہو۔ نکات الشعر امیں میرؔکے الفاظ یہ ہیں :

''معنی ایہام اینست کہ لفظے کہ بروبنائے بیت بوآں دومعنی داشتہ باشدیکے قریب ویکے بعید وبعید منظور شاعرباشدوقریب متروک او''۲

ڈاکٹر جمیل جالبی ایہام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''ایہام کے معنی یہ ہیں کہ وہ لفظ ذو معنی ہوجس پر شعر کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ان دونوں معنی میں سے ایک قریب ہوں دوسرے بعید۔ اپنے شعر میں شاعر کی مراد معنی بعید سے ہوقریب سے نہیں۔ ''۳

ایہام کئی طرح کے ہوتے ہیں اوراس کی کئی قسمیں ہیں۔ اردوکے مشہور نقادشمس الرحمن فاروقی نے اس کی تین قسمیں بیان کی ہیں :

1۔ ایہام خالص:

یعنی جہاں ایک لفظ کے دومعنی ہوں ایک قریب کے اورایک دورکے اور شاعر نے دورکے معنیٰ مرادلیے ہوں۔

2۔ ایہام پیچیدہ :

جہاں ایک لفظ کے دومعنی یادوسے زیادہ معنی ہوں اورتمام معنی کم وبیش مفید مطلب ہوں عام اس سے کہ شاعرنے کون سے معنی مراد لیے ہوں۔

3۔ ایہام مساوات :

Downloaded From Tajassus.com

جہاں ایک لفظ کے دومعنی ہوں دونوں برابر کے کم وبیش یابالکل قوی ہوں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوکہ شاعرنے کون سے معنی مرادلیے تھے۔ ''۴

ایہام گوئی کی یہ صنعت عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی اور اردو سب ہی زبانوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ تووا ضح ہے کہ ہندی میں یہ صنعت سنسکرت سے آئی اورسنسکرت میں اس صنعت کو' شلیش 'کہاجاتاہے اوریہی نام ہندی میں بھی ہے۔ ہندی شاعروں نے اسے کثرت سے استعمال کیا ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں کہ :

''شلیش سنسکرت کالفظ ہے اورسنسکرت میں اس صنعت کی کئی قسمیں ہیں۔ مگران میں سے خاص دو ہیں سبھنگ اورابھنگ۔ سبھنگ میں لفظ سالم رہتاہے اور ابھنگ میں لفظ کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے یہ صنعت پیدا کی جاتی ہے۔ ہندی میں یہ سنسکرت سے آئی ہے۔ ہندی شاعروں نے اسے کثرت سے استعمال کیاہے۔ ''۵

اردومیں ایہام کی صنعت کہاں سے آئی آیا یہ فارسی سے آئی یاہندی سے۔ بیشتر ناقدین اردومیں ایہام گوئی کاسراہندی دوہروں سے ہی جوڑتے ہیں۔ مولوی عبدالحق کا بھی یہی ماننا ہے کہ اردوشاعری میں ایہام گوئی کی روایت ہندی شاعری کی رہین منت ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

''یہ خیال قرین صحت معلوم ہوتاہے کہ اردوایہام گوئی پرزیادہ تر ہندی شاعری کااثر ہوااورہندی میں یہ چیز سنسکرت سے پہنچی۔ ''۶

ڈاکٹرنورالحسن ہ اشمی کانقطہ نظراس سے کچھ مختلف ہے۔ وہ اٹھارہویں صدی میں فارسی گوشعراکی دربارمیں رسائی اوراس کے اثرات کوبنیاد بناکریہ کہتے ہیں کہ اردوشاعری میں ایہام کی صنعت فارسی سے آئی ہے۔ نورالحسن ہاشمی کی اس رائے سے قاضی عبدالودود کے علاوہ بہت سے لوگوں نے اختلاف کیا۔ ڈاکٹر محمدحسن نے بیچ کی راہ نکالتے ہوئے ایہام گوشعراپرفارسی ہندی دونوں کے اثرات کی وکالت کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

:''غرض شمالی ہندمیں اردوادب کی ابتدا فار سی اورہندی کی دوہری ادبی روایات کے سائے میں ہوئی - فارسی نے اردوادب سے بہت کچھ اخذواختیارکیا۔ اس کی حسن کاری لفظوں کے دروبست، اضافت وتراکیب، شاعرانہ لب ولہجہ اورایک مخصوص افتاد طبع اورشائستگی کا ایک خاص تصورلیا۔ ہندی شاعری سے بالواسطہ کئی اثرات پڑے۔ ''۷

لیکن ڈاکٹر منظراعظمی مختلف ایہام گو شعرا کے کلام میں مستعمل ہندی الفاظ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''اگرایہام گواردوشعراکے اشعارپر نظرکی جائے توفارسی لب ولہجہ اور اثرات کم اورہندی یابھاشائی لب ولہجہ اوراثرات نسبتاً زیادہ ملتے ہیں۔ فارسی اثرات کے تحت بیشترشعر رعایت لفظی کی نوعیت کے ہیں جب کہ ہندی اثرات کے تحت شعربیشترایہامی ہیں ''۔ ۸

Downloaded From Tajassus.com

اردوشاعری میں ایہام گوئی کی شروعات امیرخسروسے ہوتی ہے وہ سب سے پہلے شاعرہیں جنھوں نے ایہام کو بطورصنعت اپنی فارسی شاعری میں استعمال کیا۔ پھرفارسی اوراردوکافائدہ اٹھاتے ہوئے اردومیں ایسے اشعارکہے جن میں یہ صنعت استعمال ہوتی تھی۔ ان کی کہہ مکرنیوں اورپہیلیوں میں ایہام کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔

ایہام گوئی کی ا س روایت کوفروغ دینے میں ولیؔکانام کافی اہمیت کاحامل ہے۔ اس صنعت کانمایاں اظہار ہمیں ولی کی شاعری میں ملتاہے۔ اسی لیے ولیؔکو ہی ایہ ام کی تحریک کانقطہ آغاز ماناجاتاہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں ایہام کی عکاسی بھرپورملتی ہے:

لیاہے گھیرزلفوں نے یہ تیرے کان کاموتی
مگریہ ہندکا لشکرلگاہے آستارے کو

ہرشب تری زلف سے ''مطول'' کی بحث تھی
تیرے دہن کودیکھ سخن''مختصر'' کیا

موسیٰ جوآکے دیکھے تجھ نورکاتماشا
اس کوں پہاڑہوئے پھر طورکاتماشا

ایہام گوئی کی صنعت کوجس نے عروج عطاکیاوہ خان آرزوؔہیں۔ خان آرزوؔاوران کے شاگردوں نے اس صنعت کا فراوانی سے استعمال کیا۔ انھیں یقین تھاکہ مستقبل میں فارسی کے بجائے ریختہ ہی اس ملک کی زبان بننے والی ہے۔ ویسے اس صنعت میں طبع آزمائی کرنے والوں کی فہرست طویل ہے البتہ اہم ایہام گوشعرا میں انعام اللہ خاں یقینؔ شاہ مبارک آبروؔ شاکرناجیؔ مصطفی خاں یک رنگ اورشاہ ظہورالدین حاتم وغیرہ کانام کافی اہمیت کاحامل ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے نمونے کے طور پر کچھ اشعار دئے جاتے ہیں :

ہوئے ہیں اہل زر خوابان دولت خواب غفلت میں
جسے سوناہے یاروں فرش پہ مخمل کے کہہ سوجا

...

نیل پڑجاتا ہے بربوئی کا اے نازک بدن
تن اوپر تیرے چکن کرناہے گویا کارِ چوب

(آبرو)

نظرآتانہیں وہ ماہ رو کیوں
گزرتاہے مجھے یہ چاند خالی

نہ دیتا غیر کو نزدیک آنے
اگر ہوتا وہ لڑکا دور اندیش

Downloaded From Tajassus.com

(یقینؔ)

ہوں تصدق اپنے طالع کا وہ کیسا ہے حجاب
مل گیا ہم سے کہ تھا مدت سے گویاآشنا

(حاتمؔ)

قوس قزح سے چرچہ کرانا تھا تجھ بھواں کا
شاید کہ سربھراہے اب پھر کر آسماں کا

ANS 04

شمالی ہند میں اردو شعرا نے ایہام گوئی پر توجہ دی -آخری عہد مغلیہ میں مرکزی حکومت عدم استحکام کا شکار ہو گئی - اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ 18فروری 1719سے 14اگست 1719تک تین بادشاہ تخت نشین ہوئے- (1)محمد شاہ رنگیلا1719سے 1747تک مغلیہ حکومت پر قابض رہا -اسی عہد میں ایہام گوئی کا آغاز ہوا -محمد شاہ اخلاقی اقدار کی دھجیاں اڑا رہا تھا - اس کی شامت اعمال 13 فروری 1739کو نادر شاہ کی صورت میں عذاب بن کر نمودار ہوئی ، دہلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی- دو لاکھ پچیس ہزار افراد نادر شاہ کی سفاکی اور بربریت کی بھینٹ چڑھ گئے (2)ان حالات میں اردو شعرا نے ایہام گوئی کی روش اپنالی-

ایہام سے مراد وہم یا شک میں مبتلا کرنا ہے -اپنی اصل کے اعتبار سے ایہام کو رعایت لفظی کے ایک خاص انداز سے تعبیر کیا جاسکتا ہے - ذومعنی الفاظ کے استعمال سے تخلیق کار دو مفاہیم کے ذریعے قاری کو وہم میں ڈال کر اپنے فنی محاسن کے لیے داد طلب ہوتا ہے -میرتقی میر نے ایہام کو ریختہ کی ایک قسم قرار دیا ہے-(3) اردو شاعری میں ایہام گوئی کارجحان سے 1719دیکھنے میں آتا ہے جو دہلی کے شعرا کے ہاں پچیس سال تک برقرار رہا (4) ایہام گو شعرا کے ہاں الفاظ کو دوہری معنویت کا حامل بنادیا جاتا ہے - بادی النظر میںقاری قریب ترین معانی تک جاتا ہے مگر حقیقت میں اس سے مراد دور کے معانی ہوتے ہیں- اس طرح قاری قدرے تامل کے بعد دور کے مفہوم تک رسائی حاصل کرپاتا ہے مثلاً یہی مضمون ِ خط ہے احسن اللہ کہ حسن خوبرویاں عارضی ہے

یہاں عارضی میں ایہام ہے - عارضی کے قریب ترین معانی تو ناپائیدار ہیں مگر شاعر نے اس سے رخسار مراد لیے ہیں-

Downloaded From Tajassus.com

نشہ ہو جس کو محبت کا سبز رنگوں کا
عجب نہیں جو وہ مشہور سب میں بھنگی ہو
یہاں لفظ بھنگی میں ایہام پایا جاتا ہے۔

علم صنائع بدائع میں ایہام کو ایک صنف قرار دیا گیا ہے۔ اردو زبان میں ایہام کے فروغ میں ہندی دوہوں کا گہرا عمل دخل ہے ۔ سنسکرت میں ایہام کو " شلش" کہاجاتا ہے ۔ اردو میں ہندی اور سنسکرت کے وسیلے سے ایہام کو فروغ ملا ۔ فارسی ادب میں بھی ایہام گوئی کا وجود پایا جاتا ہے مگر فارسی تخلیق کا ر اس میں کم دلچسپی لیتے تھے ۔ محمد حسن آزاد نے اردو میں ایہام گوئی کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ہندی دوہوں کے زیر اثر اس کا آغاز ہوا (5)رام بابو سکسینہ نے ایہام گوئی کے آغاز کو ولی کے عہد سے وابستہ کیا ہے ۔ انھوںنے لکھا ہے :"ولی کے معاصرین صنعت ایہام کے بہت شائق تھے ۔ یہ صنعت بھاشا کی شاعری میں بہت مقبول ہوئی اور دوہوں کی جان ہے ۔ قدما کے کلام میں ایسے ذومعنی اشعار بکثرت ہوتے ہیں ۔"(6)
اردو شاعری میں ایہام گوئی پر خان آرزو اور ان کے شاگردوںنے تخیل کی جولانیاںدکھائیں۔ مولوی عبدالحق نے اردو شاعری میں ایہام گوئی کے محرکات کے بارے میں لکھا ہے۔ " یہ خیال قرینِ صحت معلوم ہوتا ہے کہ اردوایہام گوئی پر زیادہ تر ہند ی شاعری کا اثر ہوا ، اور ہندی میں یہ چیز سنسکرت سے پہنچی۔"(7)

محمد حسین آزاد نے آب حیات میں لکھا ہے کہ ایہام گوئی کا تعلق آخری عہدمغلیہ سے ہے ۔ انھوں نے ولی کے عہد میں اس کے پروان چڑھنے کی بات کی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :"ولی نے اپنے کلام میں ایہام اور الفاظ ذومعنین سے اتنا کام نہیں لیا ۔ خداجانے ان کے قریب العہد بزرگوں کو پھر اس قدر شوق اس کا کیوں کر ہوگیا ؟ شاید دوہوں کا انداز جو ہندوستان کی زبان کا سبزہ خود رو تھا ، اس نے اپنا رنگ جمایا۔"(8)

یہ بات قرین قیاس ہے کہ دوہوں نے ایہام گوئی کی راہ ہموار کی مثلاً یہ دوہا ملاحظہ کریں
رنگی کو نارنگی کہیں بنے دودھ کو کھویا
چلتی کو گاڑی کہیں دیکھ کبیرا رویا

تخلیقی اظہار کے متعد امکانات ہوتے ہیں۔ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا تخلیق کار کا

Downloaded From Tajassus.com

صوابدیدی اختیار ہوتا ہے -ان حالا ت میں اگر کوئی تخلیق کار یہ طے کر لے کہ وہ قاری کو سرابوں کی بھینت چڑھا کر اپنی فنی مہارت کی داد لے گا تو یہ ایک خیال خام ہے -ایسے ادیب ذو معنی الفاظ اور زبان و بیان کی بازی گری سے اپنا مافی الضمیرکیسے پیش کر سکتے ہیں ؟ایہام کے متعلق یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ ا یہام گو شعرا اپنے کلام میںایسے الفاظ کو استعمال کرتے ہیںجو بہ ظاہر گنجینہءمعانی کے طلسم کی صورت پیدا کر دیتے ہیں اور شاعر کو یہ گمان گزرتا ہے کہ قطرے میں دجلہ اور جزو میں کل کا منظر دکھانے پر دسترس رکھتا ہے -تخلیق کار کی شخصیت میں داخلی پہلو عام طور پر غالب رہتا ہے -اس کی شدت سے مغلوب ہو کر وہ قاری کو حیرت زدہ کرنے کے لیے نت نئے طریقے دریافت کرنے کی ترکیبیں تلاش کرتا ہے -ایہام اسی سوچ کو تخلیقی اظہار کی مثال بناتا ہے -ایہام گو شاعر تخلیق فن کے لمحوں میں ایسا پیرایہ ءاظہار اپناتا ہے کہ پورے شعر یا اس کے کسی ایک جزو سے دو ایسے مفاہیم پیدا ہوں جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں -اس مقصد کے لیے ذو معنی الفاظ کے استعمال میں شعرا نے گہری دلچسپی لی ہے -جہاں تک معانی کا تعلق ہے ان میں سے ایک معنی تو قریب کا ہوتا ہے جب کہ دوسرا معنی بعید ہے -در اصل شاعر کا مدعا یہ ہوتا ہے کہ بعید کے معنی پر توجہ مرکوز کی جائے اور قاری وہم کی صورت میں قریب کے معنی میں الجھ کر رہ جائے -شاعر ذو معنی الفاظ کو اپنے تخلیقی اظہار کی اساس بنا کر صنائع بدائع کی اس صنف کو اپنی شاعری میں استعمال کر کے اپنی جدت پر داد طلب دکھائی دیتا ہے -اس سے یہ انداز لگایا جا سکتا ہے کہ رعایت لفظی کی ایسی صورتیں پیدا کر کے شعرا نے کس طرح مفاہیم کو بدلنے میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیا -اردو شاعری کے کلاسیکی عہد میں یہ رسم چل نکلی تھی کہ حقیقت کو خرافات میں نہاں کر نا ہی فنی مہارت کی دلیل ہے - داخلی حقائق کو خارجی فرغلوں میں لپیٹ کر پیش کرنا قادر الکلام ہونے کا ثبوت ہے -ایہام بعض اوقت الفاظ کی املا سے بھی پیدا کیا جاتا ہے - وہ تخلیق کار جنھوں نے ایہام گوئی پر بھرپور توجہ دی ان کے نام حسب ذیل ہیں :خان آرزو ،شاہ مبارک آبرو ، ٹیک چند بہار ، حسن علی شوق، شہاب الدین ثاقب ، رائے آنند رام مخلص، میرزین العابدین آشنا، شرف الدین مضمون، شاہ حاتم ، محمد شاکر ناجی ، غلام مصطفٰے یک رنگ ،محمد احسن احسن، میر مکھن پاک باز ، محمد اشرف اشرف، ولی اللہ اشتیاق ، دلاورخان بیرنگ ، شرف الدین علی خان پیام ، سید حاتم علی خان حاتم ، شاہ فتح محمد دل ، میاں فضل علی دانا ، میر سعادت علی خاں دسعادت ، میر سجاد اکبر آبادی ، محمدعارف عارف ، عبد الغنی قبول ، شاہ کاکل ، شاہ مزمل ، عبدالواوہاب یک رو اور حیدر شاہ -

Downloaded From Tajassus.com

کلام میں ذومعنی الفاظ کا استعمال کرنا اس عہد کے شعرا نے بظاہر ایک جدت کا پہلو تلاش کیا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کلام کے حسن میں اضافہ ہوجاتا ہے ۔ دور از کار مفہوم اور باتوں کی بے لطفی ضلع جگت کی بے لطفی سے کسی طور بھی کم نہیں (9) ولی کے سفر دہلی کے بارے میں بھی درست معلومات پر توجہ نہیں دی جاتی ۔ ولی کے بارے میں یہ تاثر ملتا ہے کہ انھوں نے کہا تھا

دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین
جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

یہ شعر ولی دکنی کا نہیں بلکہ شرف الدین مضمون کا ہے۔صحیح شعر اس طرح سے ہے :

اس گدا کا دل لیا دلی نے چھین
جا کہو کوئی محمد شاہ سوں (10)

ولی کے اشعار میں ایہام کا انداز سادگی ، سلاست اور اثر آفرینی کا حامل ہے

خودی سے اولاً خالی ہوا اے دل
اگر شمع روشن کی لگن ہے

موسیٰ جو آکے دیکھے تجھ نور کا تماشا
اس کو پہاڑ ہو وے پھر طور کا تماشا

شیخ شرف الدین مضمون (م 1735) نے ایہام گوئی کے سلسلے میں اپنے اہم کردار کا ذکر کیا ہے ۔

ہوا ہے جگ میں مضمون شہرہ اپنا
طرح ایہام کی جب سیں نکالی

شاہ مبارک آبر نے ایہام گوئی پر توجہ دی اور اسے اپنے اسلوب کی اساس بنایا۔آبر و کے اسلوب میں محض ایہام ہی نہیں بلکہ بسا اوقات وہ سادگی ،سلاست ،بے ساختگی اور دردمندی کو بھی اپنے تخیل کی اساس بنانے کی کوشش کرتے ہیں ۔اگر وہ ایہام پر انحصار نہ کرتے تو ان کا شاعرانہ مقام اس سے کہیں بلند ہوتا۔ایہام میں ان کی متبذل شاعری نے ان کے

Downloaded From Tajassus.com

اسلوب کو شدید ضعف پہنچایا۔ شیخ شرف الدین مضمون نے ایہام گوئی کو بہ طور اسلوب اپنایا۔ان کا شمار ایہام گوئی کے بانیوں میں ہوتا ہے ۔ان کی شاعری میں ایہام کی فراوانی ہے ۔ اس کے باوجود اس صنعت کے استعمال کی کسی شعوری کو شش یا کھینچ تان کا گمان نہیں گزرتا ۔ایہام گوئی ان کا اسلوب شعر و سخن رہا لیکن اس میں وہ اس سادگی ،سلاست ،بے ساختگی اور بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان کے کمال فن کو تسلیم کرنا پڑتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام کیفیت نوائے سروش کی ایک صورت بن کر شاعر کے دل میں سما گئی ۔

ANS 05

میر تقی میر کی شاعری کا اسلوب

میرتقی میر غزل کے مسلم الثبوت استاد ہیں شعراء نے میر کے دیوان کی تعریف یہ کہہ کر کی ہے کہ ان کا دیوان " گلشن کشمیر " سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح تذکرہ نویسوں نے بھی ان کی قادر الکلامی کا اعتراف کیا :

قائم چاند پوری : فروغ محفل سخن پردازاں، جامع آیات سخن دانی

گردیزی : سخن سنج بے نظیر

میر حسن : شاعر دل پذیر

مصحفی : در فن شعر ریختہ مرد صاحب کمال

شیفتہ : سخن ورِ عالی مقام

میر تقی میر کی غزل گوئی

غالب ہی کی طرح دوسرے شعرا نے بھی میر کے با کمال شاعر ہونے کی توثیق کی ہے

ناسخ :

شبہہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی کا

خود ہی وہ بے بہرہ ہیں جو معتقد(پیرو) میر نہیں

حسرت :

شعر میرے بھی ہیں پر درد و لیکن حسرت

میر کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

میر تقی میر کے حالات زندگی

اس میں شک نہیں کہ میر کا " شیوۂ گفتار " منفرد ہے ۔ مولوی عبدالحق نے لکھا ہے کہ ’’ ان کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ زبان کی سلاست و فصاحت کے ساتھ پیرایۂ بیان کس قدر دل کش نرالا اور پر تاثیر ہے "۔

Downloaded From Tajassus.com

اہم بات یہ ہے کہ ان کے اشعار ایک فطری بہاؤ رکھتے ہیں۔ یہ شعوری آرائش، صنعت کاری اور تصنع سے پاک ہیں ۔ ان کے یہاں شعری اظہار کسی ارادی منصوبہ بندی کا مرہون منت نہیں ۔وہ بعض لکھنوی شعرا مثلا ناسخ کی طرح شعر کوالفاظ سے بوجھل نہیں بناتے ۔ وہ آمد کے شاعر ہیں ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے باطن سے اشعار یوں برآمد ہو تے ہیں جیسے کسی پہاڑ کے دامن سے کوئی چشمہ پھوٹتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ و ہ شعوری طور پر کسی موضوع یا مضمون مثلاً تاریخی حالات، ذاتی واردات، عشق یا تصوف کو ہاتھ نہیں لگاتے، وہ ان کوشعری عمل سے دور کھتے ہیں اور شعری عمل کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں ۔ میر تخلیق کے لاشعوری عمل کو روا رکھتے ہیں، تخلیقی عمل میں وہ خارجی اور داخلی دنیا میں فرق نہیں کرتے، وہ شعور اور لاشعور کی حدوں کو پار کر جاتے ہیں اور شخصیت کی گہرائیوں میں ڈوب جاتے ہیں ۔

دیکھو تو کس ادا سے کہتے ہیں میر شعر
(چمک)دُر (موتی) سے ہزار چند ہے ان کے سخن میں آب

میر کے کلام کی سادگی

Meer Taqi Meer shayari

میر نے جو زبان استعمال کی ہے وہ روایت نہیں بلکہ تازہ کار ہے ۔ یہ فارسی سے استفادے کو ظاہر تو کرتی ہے مگر اس سے مغلوب نہیں ۔ان کی زبان ہندوستانی سر زمین کی بو باس رکھتی ہے ۔ یہ نرمی سادگی اور مٹھاس رکھتی ہے ۔ ان کی شعری زبان آ نے والے کئی شعراء کے لیے سر چشمہ فیض کا درجہ رکھتی ہے۔ موجودہ دور میں عظمت اللہ خان، حفیظ جالندھری، میراجی، فراق، اور ناصر کاظمی خاص طور پر میر کی زبان سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ ناصر کاظمی ابن انشا اور خلیل الرحمن اعظمی نے تو با قاعدہ میر کے شعری آہنگ اور اسلوب کے احیا کی طرف دھیان دیا۔ میر الفاظ کے پارکھ ہیں وہ فرسودہ فارسی الفاظ کے بجائے ایسے الفاظ برتتے ہیں جو اصلی اور فطری ہیں، انھوں نے خود کہا ہے:

میر تقی میر کے اشعار کی تشریح

شعر میرے ہیں سب خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

Downloaded From Tajassus.com

میر عوام سے گفتگو کرنے کے باوجود خواص سے رابطہ رکھتے ہیں - وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کون سا لفظ کہاں استعمال کرنا ہے او لفظ کس طرح شعری تجربے کی پہلو داری پر حاوی ہو جاتا ہے۔ یہ نادیدہ امکانات کو بروئے کار لانے کا عمل ہے - میر کا کمال یہ ہے کہ وہ سادہ الفاظ کو پیکروں میں ڈھالتے ہیں اور قاری حسیاتی پیکروں سے متاثر ہوتا ہے - یہ بات قابل ذکر ہے کہ انھوں نے فارسی تراکیب سے بھی خاصا کام لیا ہے لیکن ایسا کر تے ہوئے بھی ان کو سادہ بیانی میں ضم کرتے ہیں

چند فارسی تراکیب یہ ہیں:

میر تقی میر کی صوفیانہ شاعری

ہنگامہ گرم کن، دل ناصبور، شور نشور، چمن زادِ طیر، جگر چاکی اور سوختہ جاں وغیرہ

چوں کہ میر شعر گوئی کے لیے زبان کو ایک نئے قالب میں ڈھالنے کی اہمیت سے واقف ہیں اس لیے وہ نئی ترکیبیں بھی وضع کرتے ہیں مثلا

قیامت شریر، دنیا دنیا تہمت، صحرا صحرا وحشت، غبار دل، ریگ رواں، شور بہاراں، غزالان شہری وغیرہ۔

میر کا فنکارانہ شعور پختہ ہے وہ اشعار میں ابہام کو راہ دیتے ہیں شاعری برہنہ گوئی نہیں

بقول علامہ اقبال : برہنہ حرف گفتن کمال گوئی ست

میر " کمال گوئی " رکھتے ہیں ، وہ عام فہم الفاظ کو بھی تخلیقی طور پر استعال کرتے ہیں اور شعر کا تجربہ حجابات میں مستور رہتا ہے - قاری شعر کی روح تک پہنچنے کے لیے ابہام کے پردوں کو اٹھاتے ہیں اور تہہ در تہہ معانی سے فیض اٹھاتے ہیں مثلا

صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی

کیا پتنگے نے التماس کیا

میر کا تصور حسن و عشق

شعر کی مبہم پہلوداری میر کے اشعار کو علامتی بناتی ہے۔ اس سے شعر روایتی معنی کا پابند نہیں رہتا بلکہ مختلف معانی رکھتا ہے - میر نے خود کہا ہے :

میر صاحب کا ہر سخن ہے رمز

Downloaded From Tajassus.com

بے حقیقت ہے شیخ کیا جانے

میر کو علامتی اشعار وقت، عمر، عصر، آشوب، آگہی، جدائی اور اجاڑ پن کے معنی کا اشاریہ ہیں۔

بہر حال میر کا شعری اسلوب منفرد اور جدا گانہ ہے کہتے ہیں:

نہیں ملتا سخن اپنا کسو سے

یہی وجہ ہے کہ ان کی آواز دور سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ ایک شعری کردار کی آواز ہے جو حساس، دردمند اور مخلص شخصیت رکھتی ہے ۔ یہ آواز پرسوز اور مدھم ہے ، یہ لہجے کے اتار چڑھاؤ آہنگ، سرگوشی کا تخاطب اور بحریں طویل ہوں یا مختصر ، مترنم ردیف و قافیہ کے ساتھ خاص دلکشی رکھتی ہے :

Downloaded From Tajassus.com